ٹائٹل میں نمایاں ہے) اس درس گاہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا نظام بھی تھا یہی وہ نظام ہے جو اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیت رہی ہے اور ہمارے علم وفکر کا محور ومرکز ہے ہم نے اسی مناسبت سے اس مجلّہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی شامل لیا ہے اور تعلیم کے ساتھ تحقیق کو بھی اس لئے کہ قرآن نے بے شمار مقامات پر اپنے قاری کو تحقیق وجستجو کا حکم دیا ہے۔

کسی بھی ملک کا نصاب اس قوم کے مستقبل کا معمار ہوتا ہے اور جو نصاب مذہبی تہذیبی وتحقیقی روایات کا حامل ہو وہی فطری نصاب ہوتا ہے (جو مسلط کیا جائے وہ نصاب کے سوا سب کچھ ہوسکتا ہے)، اساتذہ کرام جو طلباء کی علمی وفکری تربیت کے ذمہ دار ہیں ضرورت ہے وہ بھی مطالعہ وتحقیق کے ذریعہ اپنے علم وفکر کی تجدید اور اس میں رسوخ پیدا کریں، بقول اقبال:

وہی جہاں ہے تیرا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ وخشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

اسی نکتہ کے پیش نظر جب انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کالجز کراچی کی باگ ڈور اساتذہ کرام نے ہمارے حوالہ کی تو ہم نے پہلا پروگرام ''فکری تربیت'' کا دوسرا سیمینار بعنوان

''اصول تحقیق تصنیف، تالیف، کالم نگاری، اہداف وطریقہ کار''

منعقد کیا (بتاریخ ۵ر جنوری ۲۰۰۵ء بمقام جناح گورنمنٹ کالج) سیمینار میں پیش کئے جانے والے منتخب مقالات اس مجلّہ میں پیش خدمت ہیں تاکہ جو اساتذہ پروگرام میں شریک نہیں ہوسکے وہ اس مجلّہ سے استفادہ کرلیں فن تحقیق سے وابستہ مسلمانوں کی شاندار روایات کو دوبارہ زندہ کرنے اور فروغ دینے کے لئے تعلیم وتحقیق کے حوالے سے یہ خصوصی شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، اسی تناظر میں دینی مدارس اور ان کی خدمات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، اس کے علاوہ فن تحقیق پر ایک اہم ترین کتاب

''کیف تکتب بحثا اورسالة دراسة منهجية''

ڈاکٹر احمد شلبی الازہری کا اردو ترجمہ کردیا گیا ہے جواب زیر طبع ہے (اس کتاب کے ۳۰ سے زائد عربی ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں)

مذہبی تحقیق کو فروغ دینے کے لئے ۴ر مئی ۲۰۰۵ء کو انجمن کے سالانہ پروگرام کے موقع پر صوبائی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا (بمقام جناح یونیورسٹی برائے خواتین) جس میں پورے سندھ سے علماء، ڈاکٹرز، پروفیسر اور ریسرچ اسکالرز نے اردو، عربی، انگریزی اور سندھی میں ۳۹ تحقیقی مقالات پیش کئے (تفصیلی رپورٹ رسالہ میں موجود ہے) ۰۶۔۲۰۰۵ء کے انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کے سالانہ انتخابات میں اساتذہ کرام نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھاری اکثریت سے منتخب کیا (جس پر ہم سب تہہ دل سے ممنون ہیں) تو ہماری ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہوگیا ہے یہی وجہ ہے حلف برداری کے فوراً بعد میں نے ساتھیوں کے مشورہ سے پروفیسر اساتذہ پر مشتمل ۱۳ر کمیٹیاں قائم کی ہیں جس میں سے سات کا تعلق تعلیم و تحقیق سے ہے، اور علمی و مذہبی تحقیق کے فروغ کے لئے مزید سیمینارز ورکشاپس اور صوبائی وقومی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا ہے۔

۳۰ر اگست ۲۰۰۵ء کو ۰۶۔۲۰۰۵ء کے کامیاب عہدیداران کی حلف برداری کی تقریب کی مناسبت سے سرسید گورنمنٹ گرلز کالج میں ایک تربیتی نشست کا اہتمام کیا گیا، اس تقریب کے مہمان خصوصی پروفیسر اے کے شمس صاحب تھے (سابق ممبر قومی اسمبلی اورنگی ٹاؤن) اس تقریب کی صدارت پروفیسر سعید احمد صدیقی صاحب (ممبر سینٹ آف پاکستان) نے کی اور عہدیداران سے حلف لیا، تربیتی نشست کا عنوان تھا۔

''آزادی کی قدر و قیمت اور اساتذہ کے فرائض''

(تفصیلی رپورٹ مجلّہ میں موجود ہے) اس موقع پر صدر جلسہ نے متعدد اہم امور کی جانب توجہ مبذول کرائی جس کی روشنی میں انجمن کے عہدیداران کے مشورہ سے درج ذیل چند مطالبات حکومت کو پیش کئے جارہے ہیں۔

☆ ایجوکیشن میں تدریس سے وابستہ اساتذہ کرام کے ریٹائرمنٹ کی عمر ۶۰ کی جگہ ستر سال کی جائے تاکہ وہ بہتر مطالعہ و تجربہ سے قوم کو زیادہ فائدہ پہنچا سکیں۔

☆ اساتذہ کرام کے لئے ملک سے باہر جانے، حج، عمرہ، سیمینارز و کانفرنس میں شرکت

کے لئے N.O.C کی شرط ختم کی جائے ادارہ کے سربراہ کو صرف اطلاع دینا کافی سمجھا جائے، تاکہ اساتذہ بروقت ان پروگراموں میں شرکت کرسکیں، مطالعہ وفکری وسعت کے ساتھ بین الملی والمللی افکار وروابط مستحکم ہوسکیں۔

☆ اہم ملکی، معاشی، معاشرتی، تمدنی، تعلیمی وملکی مسائل پر لکھنے کے لئے اساتذہ کے لئے N.O.C کی شرط ختم کی جائے تاکہ اساتذہ طلباء کے ساتھ معاشرہ کی فکری وعملی رہنمائی کرسکیں اور فکری جمود کا خاتمہ ہو۔

ہم آج جس دور سے گذر رہے ہیں یہ گلوبلائزیشن، اور نیو ورلڈ آرڈر کا ہے (امریکہ جس کے نفاذ کا خواہاں ہے) تہذیبی تصادم کی خوش نما اصطلاح کی آڑ میں مذہبی تصادم کو فروغ دینا چاہتے ہیں گو کہ تمام تر کوششوں کے باوجود مطلوبہ صورت حال دنیا پر طاری کرنے میں ناکام رہے ہیں (حالانکہ ۱۱/ ۹ / ۲۰۰۱ء کو آج چار سال مکمل ہو چکے ہیں) فرق صرف اتنا ہے پہلے جو کچھ چھپ کر کیا جاتا تھا اب کھل کر کیا جارہا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں اس گلوبلائزیشن کے دور میں دنیا سمٹ رہی ہے ایک فون، موبائل اور کمپیوٹر پر دنیا کے ہر کونہ میں رابطہ ممکن ہے یہ تہذیبی تصادم نہیں بلکہ اختلاط کا دور ہے البتہ عالمی قوتیں اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لئے خوش نما اصطلاحات اور میڈیا کی مضبوط قوت کا سہارا لے رہی ہیں، اس نئی تہذیبی ارتقاء کی باگ ڈور وقیادت عالم اسباب میں کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ اس کا جواب اس وقت واضح ہوگا جب دنیا کے وسائل کو کنٹرول کرنے کے حوالہ سے کشمکش کا خاتمہ ہوگا؟ اور یہ کش مکش اس وقت ختم ہوگی جبکہ عسکری طور سے دیگر عالمی قوتیں میدان عمل میں آجائیں گیں۔

لیکن سیاسی بازی گری سے قطع نظر خود مسلمانوں میں یہ احساس بڑھتا جارہا ہے کہ مغرب مسلمانوں کی سیاست، حکومت، معیشت، معاشرت کو کنٹرول کر رہا ہے۔ اور اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے اسلام اور اس کے ہراول دستہ پر مختلف زاویوں سے دباؤ بڑھایا جارہا ہے کہ مسلمان معاشرتی وحکومتی زندگی میں مذہب سے دست بردار ہوجائیں اور مغربی فکر و

فلسفہ کے تابع ہو جائیں جس کے جواب میں دو قسم کے ردعمل سامنے آرہے ہیں پہلے کو حوالگی، سپر اندازی، سجدہ ریزی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، دوسرا ردعمل طاقت کے جواب میں طاقت اور مغرب کی ہر بات کو رد کر دینا سامنے آیا ہے دونوں ردعمل بغیر کسی تیاری کے سامنے آئے ہیں جس سے فائدہ کم نقصان زیادہ ہوا ہے۔

میڈیا کی جنگی یلغار بالفاظ قرآنی والغوا فیہ لعلکم تغلبون یا اردو محاورہ کے مطابق ''چور مچائے شور'' اپنی دہشت گردی وتعصبات کو چھپانے کے لئے قرآن، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یک طرفہ یلغار کر دی گئی مغربی میڈیا نے عوام کے اندر صلیبی جنگ کے نعرہ کے مطابق ہیجان برپا کر دیا جس سے باہمی خدشات، تصادم اور خوف میں اضافہ ہوا لیکن جیسے جیسے وقت گذر رہا ہے پروپیگنڈہ کی دھول بیٹھ رہی ہے فریب اور طاقت کا پردہ فاش ہو رہا ہے مکالمہ کی ضرورت کا احساس فروغ پا رہا ہے تاکہ جانبین سے جس نے سمجھنے میں غلطی کی ہے اسے اس پر غور کرنا چاہئے، عیسائیت کے پیروکاروں کی جانب سے مکالمہ کی صدا بہت بلند آہنگ کے ساتھ تقریباً پچیس تیس سال سے بلند ہوتی رہی ہے لیکن احمدیدات کے ہاتھوں متعدد صدمات سہنے کے بعد یہ صدا سکوت میں تبدیل ہوگئی ہے اور جہاں کہیں دوبارہ ظاہری کوشش کی جاتی ہے اس میں مسلمانوں کی جانب سے ایسے افراد کو نمائندگی کی دعوت دی جاتی ہے جن کا نام عربی یا مسلمانوں جیسا ہو وہ اس اسٹیج پر وہی کرتا ہے جو مداری کا بندر کرتا ہے ان کٹھ پتلیوں کے ذریعہ اپنی رواداری اور اسلام کی نمائندگی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔

مکالمہ کسے کرنا چاہئے؟ اور کس کے درمیان ہونا چاہئے؟ اور کس موضوع یا پہلو پر ہونا چاہئے؟ یہ یقیناً قابل غور پہلو ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں حکومت کو مکالمے کے فروغ کے لئے فقط سرپرستی کرنی چاہئے اور یہ مکالمہ تمام مذاہب کے علماء واسکالرز کے درمیان ہونا چاہئے اس لئے کہ علماء مذہب اور مسائل کا بہتر ادراک وشعور رکھتے ہیں۔

مکالمہ کے بے شمار پہلو ہیں مثلاً ملکی ومعاشرتی مسائل کے حل میں لامذہبیت کا خاتمہ

کرنا، مذہب کے اثر ورسوخ میں اضافہ کرنا، مذہبی بنیادوں پر ہونے والے تصادم کا خاتمہ کرنا۔

لیکن ہم سمجھتے ہیں سب سے اہم مسئلہ دنیا میں امن کا قیام ہے جس کا ہر فرد ہر حکومت اور ہر مذہب کا پیروکار خواہاں ہے لیکن امن بذریعہ طاقت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے لہٰذا امن بذریعہ مکالمہ بین المذاہب کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۴ رمئی ۲۰۰۵ء کو صوبائی سیرت النبی کانفرنس کے موقع پر ہم نے اسی اہمیت کے پیش نظر ایک قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۶ء کا اعلان کیا تھا اور اسے شائع بھی کر دیا تھا جس کا عنوان تھا:

قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۰۰۶ء بعنوان

عالمی مذاہب کے درمیان مکالمہ

باہمی خدشات، امکانات اور تصادم

اُسوہ انبیاء اور کتب مقدسہ کے تناظر میں

ہمیں خوشی ہے اس فکر کو سرکاری سطح پر بھی پذیرائی مل رہی ہے اور خود حکومت کی جانب سے بھی اس قسم کے پروگراموں کے انعقاد، ان کی اہمیت وضرورت اور ان میں شرکت کے اعلانات سامنے آرہے ہیں۔

روزنامہ جنگ ۱۴ راگست ۲۰۰۵ء کے مطابق صدر جنرل پرویز مشرف (ستمبر کے وسط) میں امریکہ میں یہودیوں کی عالمی کونسل کے صدر جیک روزین کی دعوت پر یہودیوں کے عالمی گروپ سے خطاب کریں گے۔

جنگ کراچی ۲۸ راگست ۲۰۰۵ء کے مطابق امریکہ میں پاکستانی سفیر جہانگیر کرامت نے کہا صدر کا خطاب مذاہب کے درمیان مکالمہ کی کڑی ہوگا۔

جنگ کراچی ۲۹ راگست ۲۰۰۵ء کے مطابق چودھری شجاعت نے تہذیبی تصادم کا حل پیش کرتے ہوئے فرمایا عیسائیت، اسلام اور یہودیت میں مکالمہ کرایا جائے۔ جنگ کراچی ۲۴ راگست ۲۰۰۵ء کی خبر کے مطابق کرسچن اسٹڈیز سینٹر کے تحت بھی اس حوالہ سے ایک سیمینار

منعقد ہوا ہے جس کا عنوان تھا ''قیام امن کے لئے صحافیوں، وکلاء اور مذہبی لیڈروں کا کردار'' گو کہ مباحث کا علم نہیں ہو سکا لیکن یہ واضح ہے کہ مکالمہ کی ضرورت کا احساس تمام مذاہب میں موجود ہے لیکن یہ قومی کانفرنس جس کا ہم نے اعلان کیا ہے تنہا نہیں کر سکتے پورے ملک سے مختلف مذاہب کے اسکالرز کو جمع کرنا سفر و قیام کے اخراجات کے لئے ہمیں حکومت اور فکری ہم آہنگی رکھنے والوں سے تعاون کی درخواست ہے امید ہے اس کانفرنس کے ذریعہ نہ صرف ملک بلکہ بیرون ملک بھی رواداری اسلام کی اعلیٰ و جامع تعلیمات اجاگر ہوں گی۔

قرآن کا اکثر حصہ غیر مسلموں سے مکالمہ پر مشتمل ہے دو سو سے زائد غیر مسلم وفود سے آپ ﷺ نے مکالمہ کیا جس میں یہودی، عیسائی وغیرہ سب شامل ہیں، ضرورت ہے بامقصد و بامعنی مکالمہ کے ذریعہ اس سنت نبویہ کو زندہ کیا جائے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے غازی

آخر میں تمام علماء، ڈاکٹر، پروفیسر اور ریسرچ اسکالر حضرات کا ممنون احسان ہوں جن کے گراں قدر مقالات اور سنجیدہ افکار سابقہ اور موجودہ شمارہ کی زینت ہیں جنہوں نے نہایت عرق ریزی اور محنت شاقہ سے اپنے مقالات تیار کر کے اپنے نقطۂ ہائے نظر کی وضاحت کی ہم ہر مکتبہ فکر، زاویہ نظر کا احترام کرتے ہیں اور اظہار رائے کی آزادی کے قائل ہیں۔

لازمی نہیں کہ ہم ہر اسکالر کے خیالات سے متفق ہوں البتہ خیالات کا اظہار شائستہ و مدلل انداز میں کیا جائے تو ہم ضرور خیر مقدم کریں گے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہوں

جوانوں کو میری آہ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے مرا نور بصیرت عام کر دے

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

اسلامی اصول تحقیق

پروفیسر انعام مصطفیٰ خان☆

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے علم حدیث کے بارے میں روایت اور روایت کے لئے جو اصول منضبط کئے ہیں ان پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے، روایت کے بارے میں ان کے عزم و احتیاط کا عالم یہ تھا کہ سیر و مغازی تو بتہ بری چیز ہے، وہ عام خلفاً اور سلاطین کے حالات اس وقت تک بیان نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس آخری راوی سے لے کر چشم دید گواہ تک تسلسل کے ساتھ روایت موجود نہ ہو، یعنی جو واقعہ لیا جائے وہ اس شخص کی زبانی ہو جو خود شریک واقعہ رہا ہو اور اگر وہ خود شریک واقعہ نہیں تھا تو اس واقعے تک تمام درمیانی راویوں کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی تحقیق کی جائے کہ وہ لوگ کون تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا کردار کیسا تھا؟ ان کی سمجھ کیسی تھی؟ ثقفہ کہاں تک تھے؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس تھے؟ عالم تھے یا جاہل؟ تمام جزئی باتوں کا پتا لگانا بے حد دشوار تھا لیکن ہزاروں محدثین نے اس کام کے لئے اپنی عمریں وقف کر دیں اور ان تحقیقات سے اسماء الرجال کا ایک بے مثل فن ایجاد کیا کہ جس کی بدولت کم از کم ایک لاکھ شخصیتوں کے صحیح حالات معلوم ہو سکتے ہیں، اگر کسی راوی پر کذب، تہمت، غفلت، ثقات کی مخالفت یا حافظے کی کمزوری وغیرہ کا الزام ہے تو محدثین نے بلا تکلف اس کو مجروح اور اس کی روایت کو مردود، بدعت قرار دیا ہے، مرفوع، موقوف، قول و فعلی و تقریری، نیز آحاد و متواتر، مشہور و عزیز و غریب، اسی طرح صحیح و حسن اور مقبول و مردود وغیرہ کتنی اقسام حدیث ہیں، جن کی تقسیم خود اپنی جگہ اس امر کی شاہد ہے کہ علماء اسلام کی نظر کس قدر گہری تھی اور ان کا معیار

☆ معروف محقق سابق چیئرمین شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی۔

تحقیق کس قدر بلند تھا، فن روایت کے بعد روایت کا نمبر آتا ہے، یعنی ایک حدیث کے تمام راوی (شروع سے آخر تک) ثقہ اور مستند تو ضرور ہیں لیکن ممکن ہے کہ عقلاً اس روایت میں کوئی خامی موجود ہو، چنانچہ ایسی روایت بھی غیر معتبر قرار دی جائے گی، محدثین نے روایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کو پرکھنے کے لئے یہ اصول قائم کئے ہیں:

۱۔ واقعۂ مذکورہ کیا اصول، عدات کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اس زمانے میں لوگوں کا عادم سیلان کیا واقعے کے مخالفت تھا یا موافق؟

۳۔ اگر واقعہ کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اس امر کی تفتیش ضرور ہے کہ واقعے کے متعلق راوی کے قیاس اور رائے کو کہاں تک دخل حاصل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعے کو جس صورت میں ظاہر کیا ہے وہ واقعے کی پوری تصویر ہے یا اس امر کی احتمال ہے کہ راوی اس واقعے کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور اس کی تمام خصوصیات کا جائز نہیں لے سکتا۔

۶۔ اس امر کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے واقعے میں کیا کیا اور کس سک قسم کے تغیرات پیدا کر دے ہیں۔(۲)

درایت یعنی عقلی حیثیت سے واقعات کو جانچنے کے ہے اصول اس قدر قوی ہیں کہ روایوں کی صداقت اور دیانت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی منافقین کی افترا پردازی کی قطعی بھی کھل جاتی ہے۔ شمع رسالت کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پروانوں میں سے ساڑھے ساتھ ہزار ایسے ہیں جن کی روایات، کتب احادیث میں منقول ہیں اور سب کی سب مستند و معتبر ہیں، چنانچہ محدثین نے بے خوف ہو کر بڑے سے بڑے راوی اور روایت کو پرکھا ہے اور جزم اور احتیاط کے معاملے میں کسی رورعایت کو جگہ نہیں دی، امام دکیعؒ کی مشہور واقعہ ہے کہ وہ اپنے والد سے جب روایت کرتے ہیں تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور

ملا لیتے ہیں کیونکہ ان کے والد سرکاری خزانچی تھے، اسی طرح محدث مسعودی کا واقعہ ہے کہ ۳۵۴ھ میں امام معاذؒ بن ..... نے جب ان کے نسیان کا اندازہ کیا تو فوراً ان کے حافظے سے متعلق اپنی بے اعتباری ظاہر کردی، لیکن یہ حالات دیر تک ایک آہنگ پر قائم نہ رہ سکے اور خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم کے مصادق معاشرے کے صدق حال و مقال میں فرق آ گیا۔ (۳) چنانچہ جب علامہ ابن خدوم (۸۰۸ء) نے فلسفۂ تاریخ پر بحث کرنی چاہی تو انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعات کی تصویر کشی میں غلطیوں کا رجحان پایا جاتا ہے، کیونکہ انسان ضعاً اپنی رائے سے مطابقت رکھنے والی چیزوں کو بغیر چھان بین کے بھی قبول کر لیتا ہے اور خبر پہنچانے والوں کی روایات کو حالات کے تقاضے کے متعلق جانچنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ فلاں حالات کے تحت ایسا واقعہ رونما ہو بھی سکتا تھا یا نہیں۔ (۴) اصول عادت، قواعد سیاست، طبیعت تمدن اور اجتماع انسانی کے حالات پر نظر رکھنی بہر حال ضروری ہے، کیونکہ انسان کے زمان و مکان کے واسطہ انہی چیزوں سے ہوتا ہے اور ان کے بغیر کوئی تاریخ، تاریخ نہیں ہو سکتی۔

مغربی فکر تحقیق:

مسلمانوں کے اصولِ تحقیق آویز آ چکے ہیں، قریب قریب یہی اصول اب مغرب کی کتابوں میں بھی بیان ہونے لگے ہیں Carter V. Good کی مشہور کتاب The Methodologoy of Educational Rescarch میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں انکا خلاصہ یہ ہے: (۵)

> کسی واقعے کو پرکھنے کے لئے خارجی اور داخلی شہادتوں کی ضرورت ہو کرتی ہے، مواد کہاں سے حاصل ہوا؟ راوی کون تھا؟ اس کے ذاتی حالات یعنی مزاج، مذاق، کردار و گفتار کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا تعلق ان واقعات سے کیا تھا؟ واقعہ نگاری کی نوعیت کیا ہے؟ پھر اس خاص واقعے کے کتنے عرصے کے بعد راوی نے اسے نقل کیا؟ وہ راویت محض حافظے کی

بنا پر بیان کی گئی ہے یا کسی اور راوی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟
اصل واقعہ کتنا ہے اور تحریف یا اضافہ کس حد تک ہے؟

یہ اصول Carter V. Good نے فراہم کئے ہوں یا Dr. Hollis نے جمع کر لئے ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ سب کے سب اور قطعی طور پر مسلمانوں کے اصول حدیث سے ماخوذ ہیں اور ایسے ہیں کہ ان پر خود مغربی مستشرقین کا حقہ عمل نہیں کر سکتے، چنانچہ یہ اصول ''فکری تحقیق'' یا ''نظریاتی تحقیق'' کے ذیل میں تو آسکتے ہیں لیکن ''عملی تحقیق'' کے دائرہ عمل سے باہر ہیں اور یہ محض اس لئے ہے کہ ان کے یہاں بلکہ اب تو کسی کے یہاں بھی وہ احتیاط برتی نہیں جاتی جو مسلمانوں کے قرونِ اولیٰ میں تھی۔ (۶) موجودہ دور کا محقق صرف اس بات سے خوش ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے موضوع سے متعلق کوئی معاصر شہادت ڈھونڈ نکالی، اب اسے مزید تحقیق و تنقیح سے سروکار نہیں اور اس کے لئے اس کے پاس کوئی گنجائش بھی تو نہیں، وہ کہاں سے اور کس طرح معلوم کر سکتا ہے کہ معاصر راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ؟ نکتہ رس ہے یا سطحی الذہن؟ حافظے میں پختہ ہے یا نسیان کا شکار؟ بے جا عقیدت رکھا ہے یا بغض پرور ہے؟ ملازمت یا خدمت گزاری کی وجہ سے خوشامدی اور ذہنی سستی میں گرفتار رہے یا حق گو اور بے خوف ہے؟ یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات اگر اٹھانے بھی جاؤں تو ان کا حل کہاں اور کونکر مل سکے گا؟ بالآخر اسی بات پر اکتفا کرتا پڑتا ہے کہ جس شخصیت پر کام کیا جائے، اس کے ماحول اور معاشرے کا جائزہ لے لیا جائے اور اس کی ''باقیات'' کا بغور مطالعہ کر لیا جائے، مجھے یہ عرض کرنے میں باک نہیں کہ ہم لوگ نے اس انداز سے بھی بہت کم کام کیا ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ اس نقص کا احساس بھی بہت کم ہے، ایک موٹی مثال ''عالمگیریات'' کی ہے، یعنی اورنگ زیب عالمگیر سے متعلق جو ہمارے..... کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے برصغیر میں اس پر سب سے زیادہ کام ہوا ہے تو کیا وہ انصاف سے بتا سکیں گے کہ عالمگیر کی مذہبی پالیسی کے لئے ان اسباب و علل پر بھی غور کیا گیا ہے جو اخلاقی اور روحانی طور پر ان کو متاثر کیے ہوئے تھے؟ میری مراد ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے صاحبزادگان اور بالخصوص

ان کے پوتے یعنی حضرت خواجہ محمد نقشبندی ثانی رحمہ اللہ اور حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی سماعی جمیلہ سے، انہوں نے ..... بکثرت مکتوبات سے اور خود اپنی صحبت کا برکت سے کسی کو متاثر کیا تھا، افسوس کہ ہم نے عموماً ان خانقاہوں سے ہنوز رجوع نہیں کیا جہاں اس قسم کے بکثرت جواہر پارے موجود ہیں، ان بزرگانِ دین کے بارے میں وقائع نعمت خان عالی کا یہ شعر ہم نے بار بار پڑھا ہوگا:

اترلر و زور و بہتاں، فال و خواب خواجگان
شید و حذعہ دعوت شیخانِ سرہندی وطن

لیکن کبھی اس شعر پر ہم نے غور بھی کیا ہوتا، کہ وہ حقیقت انکار ہے یا حقیقت سوز؟

پھر عالمگیر کے مقربین میں سے قاضی شیخ الاسلام، شائستہ خان، عاقل خاں، سیف خاں، بختاور خان، مکرم خاں، مصطفیٰ خاں، مبرز اسیرک گرز برادر وغیرہ بکثرت لوگ ایسے ہیں جن کے نام ان بزرگوں کے متعدد مکتوبات میں موجود ہیں، کیا یہ مکتوبات، تصوف کے ساتھ ساتھ تاریخ کا بیش بہا خزینہ نہیں؟ ان بزرگوں کے اعزا اور خلفا میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی تصانیف موجود ہیں اور ان سے بعد والے سیاسی معاشرتی اور تاریخی حالات کے لئے بہت کچھ مواد حاصل ہوسکتا ہے، خود سندھ کے مختلف بزرگانِ دین کے ملفوظات اور مکتوبات بھی اس لحاظ سے بہت اہم ہیں اور ان جواہرات کی قدر کے لئے کسی شاہ کی نہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زبان مبارک سے فرمایا وہ حدیث قولی ہے، جو کچھ خود کیا ہے وہ حدیث فعلی ہے اور جو کچھ آپ نے سامنے ہوا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا تو وہ حدیث تقریری ہے، جس حدیث کو ہر زمانے میں بکثرت لوگوں نے روایت کیا ہو کہ احتمال کذب نہ رہا ہو اسے متواتر کہتے ہیں اور آحاد وہ ہیں جن کی روایت میں اتنی کثرت نہ ہو، پھر آحاد کی تین قسمیں ہیں، ا۔ مشہور جس کو ہر زمانے میں تین یا زائد روایتوں نے روایت کیا ہو، ۲۔ عزیز جس کو ہر زمانے میں دو راویوا نے روایت کیا ہو،

۳۔غریب جس کو کسی زمانے میں ایک ہی راوی نے روایت کیا ہو، آحاد کی وہ روایت جس کے راوی کی سچائی مسلم ہو وہ مقبول کہلاتی ہے ورنہ مردود، پھر احاد مقبول میں سے وہ حدیث جس کو پرہیز گار اور خوب یاد رکھنے والوں نے ہر زمانے میں روایت کیا ہو اور اس میں کوئی عیب پوشیدہ نہ ہو اور معتبر لوگوں کی مخالفت بھی نہ ہو تو اسے صحیح کہتے ہیں اور اگر ایسی احاد مقبول جس کے راویوں کا حافظہ کم ہو تو اسے حسن کہتے ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ مرقوع وہ حدیث ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو اور موقوف وہ! حدیث ہے جو کسی صحابی کا قول یا فعل ہو۔

۲۔ مولانا شبلی نے بھی ''سیرت النبی'' اور الفاروق کے مقدموں میں درایت کے ان اصولوں کا ذکر کیا ہے، بعض نے لکھا ہے کہ ''کوئی حدیث اگر عقل، مشاہدہ، مسلسل، اصول مسلمہ، قرآن پاک، احادیث صریحہ، منسوب الیہ کی عادت کے خلاف ہو یا کسی ایسے شخص کی روایت ہو جس سے کسی اور سے روایت نہیں کی یا جس روایت میں راوی کی ذاتی رائے شامل ہو یا جس کے سمجھنے میں راوی سے غلطی کا اجتماع ہے جو ایسی روایت یا یہ اعتبار سے ساقط سمجھی جائے گی۔

۳۔ خطبات مدراس/ مولانا سلیمان ندوی/ تاریخیت

۴۔ مقدمہ، ابن خلدون

۵۔ ایڈیشن ۱۹۰۱ء/ص ۲۵۷۔۲۵۶

(1945) Towards improving PhD. Programnes.